بغداد کی وجہِ تسمیہ

از جناب مقصود احمد صاحب لکچرار شعبہ عربی یونیورسٹی بڑودہ

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کے متعلق کوئی بات یوں ہی مشہور ہو جاتی ہے اور آگے چل کر وہ سند یا کم از کم ایک رائے کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ بعینہ یہی صورت شہر بغداد کی وجہ تسمیہ سے متعلق پیش آئی۔ حمد اللہ قزوینی نے اپنی کتاب "نزہۃ القلوب" جو ۷۴۰/۱۳۳۹ء کی تصنیف ہے میں نوشیرواں کو بغداد کا بانی قرار دیا اور اس کو اس کے باغ داد (باغِ عدل) سے مشتق بتایا اور عام طور پر یہی مشہور ہو گیا۔ بعد کے مؤرخین نے اس خیال کی تائید کر کے اس کو مزید تقویت بخشی حتیٰ کہ علامہ شبلی جیسے بلند پایہ مؤرخ و محقق نے بھی اس کو تسلیم کر لیا چنانچہ "المامون" میں وہ یوں رقمطراز ہیں:

"بغداد کی وجوہ تسمیہ میں یہ روایت غالباً زیادہ اعتبار کے قابل ہے کہ اس کے قریب نوشیرواں کا ایک باغ تھا جہاں بیٹھ کر وہ مقدمات فیصل کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ باغِ داد یعنی انصاف کا باغ مشہور ہو گیا۔"

(جلد دوم مطبوعہ ۱۹۵۷ء ص ۱۲۴)

ان کے علاوہ سید امیر علی متوفی ۱۹۲۸ء و دیگر مؤرخین بھی اس سے متفق ہو گئے[1]

---

[1] A Short History of the Saracens، لندن ۱۹۲۱ء ص ۲۲۵

مگر نہ تو نوشیرواں اس کا اصل بانی ہے اور نہ ہی اس کے تمام تہاد باغ داد سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ بغداد نوشیرواں کے عہد سے بہت پہلے وجود میں آچکا تھا۔ مرحوم پروفیسر عبدالستار صدیقی (۱۸۸۵ء — ۱۹۷۲ء)، سابق صدر شعبۂ عربی و فارسی، الہ آباد یونیورسٹی کے مطابق فردوسی نے شاہنامہ میں اس کا ذکر کوئی چار جگہ نوشیرواں سے پہلے کے بادشاہوں کے حال میں کیا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ پروفیسر صاحب یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں، کہ فردوسی نے خود نوشیرواں کے حال میں بغداد کا نام ایک جگہ بھی نہیں لیا ہے اور نہ ہی کہیں یہ کہا ہے کہ نوشیرواں کسی باغ میں بیٹھ کر داد رسی کیا کرتا تھا۔ فردوسی کے علاوہ مؤرخین میں سے بھی کسی نے نوشیرواں کے حال میں کہیں بغداد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

پروفیسر عبدالستار صدیقی کے مطابق "بغداد" باغ اور داد بمعنی باغ عدل سے نہیں بلکہ بغ بمعنی بت یا دیوتا اور داد بمعنی عطیہ سے مشتق ہے اور سنسکرت کے الفاظ "بھگوان" اور "بھگوت" وغیرہ کا پہلا جزو "بھگ" اور بغ ایک ہی لفظ ہے[۱]۔ موصوف کی تحقیق کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) "بغداد" بَغ اور داد (بت کا عطیہ) سے مشتق ہے۔ عبدالعزیز بن داد، الاصمعی، ابن قتیبہ، ابوعبداللہ محمد بن احمد الخوارزمی، الجوالیقی، یاقوت الحموی کے علاوہ فارسی کے لغویوں نے بھی بغ کے معنی بت بتائے ہیں۔ بَغ کی صورت اوستا میں بَغ اور بگ اور میخی کتبوں میں بَغ ہے۔ ایران میں لفظ بغ زردشتی مذہب سے پہلے موجود تھا اور اس زمانہ سے تعلق رکھتا تھا جب وہاں بت کی پرستش کی جاتی تھی[۲]۔

---

[۱] دیکھئے مقالات صدیقی حصہ اول، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء، صفحات ۱۴۳ — ۱۴۷۔

[۲] ایضاً صفحات ۱۳۶ — ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۵۱، ۱۵۲۔

(۲) بغداد کا نام زردشت کے زمانے سے پہلے کا ہے یعنی نوشیروان سے گیارہ بارہ سو برس پہلے کا۔[1]

(۳) فردوسی نے اس کا ذکر کیخسرو، فریدون اور اردشیر بابکان کے حال میں کیا ہے جو نوشیروان سے پہلے بادشاہ ہوئے ہیں۔[2]

(۴) نوشیروان کے حال میں فردوسی نے اس کا ذکر نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوشیروان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔[3]

(۵) پہلوی اور سریانی ماخذوں میں بھی اس بات کا کہیں ذکر نہیں آیا ہے کہ نوشیروان اپنے کسی باغ میں ہفتے کے ایک دن بیٹھ کر مظلوموں کی دادرسی کیا کرتا تھا۔ اول تو یہی مشتبہ ہے کہ وہ ہفتے میں ایک دن ایک باغ میں بیٹھ کر دادرسی کیا کرتا تھا اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو وہ ایسا اپنی دارالحکومت مدائن (طیسفون) میں کرتا ہوگا۔[4]

(۶) یہ بات عقل سے دور اور بہت دور ہے کہ دارالسلطنت مدائن کے آرام دہ محلوں کو چھوڑ کر وہ ہر ہفتے بغداد جاتا جو مدائن سے کوئی پچیس میل کی دوری پر واقع تھا۔ خود بھی اتنی مشقت اٹھاتا اور عدل خواہ مظلوموں اور مجبوروں کو بھی مصیبت میں ڈالتا۔ اس کے ڈر سے شاید بہت سے مظلوم نوشیروان کے عدل سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہوں۔[5]

---

[1] دیکھئے مقالات صدیقی حصہ اول، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۱۲۴-

[2] ایضاً صفحات ۱۲۵ — ۱۲۶-

[3] ایضاً ص ۱۲۷-

[4] ایضاً صفحات ۱۲۹ — ۱۳۰-

[5] ایضاً صفحات ۱۳۰ — ۱۳۱

غرضیکہ بلاد لائل و شواہد کی روشنی میں بغداد کو نوشیرواں کے نام نہاد باغِ داد کے مقابلے میں بغ اور داد (بیت یا دیوتا کا عطیہ) سے مشتق ماننا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ جہاں تک اس کا سوال ہے کہ اس کا نام بغداد کیونکر پڑا تو اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ کہنا انتہائی مشکل ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ خطۂ زمین بغ نامی دیوتا کے کسی پجاری کو کسی بادشاہ سے بطور عطیہ ملا ہوگا لہٰذا اس پجاری نے اظہارِ امتنان و تشکر اس کا نام اپنے دیوتا کے نام پر "بغداد" رکھ دیا ہوگا اور بعد میں یہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔

حوالہ کتب

۱۔ علامہ شبلی نعمانی، المامون، جلد دوم، اعظم گڑھ، ۱۹۵۷ء۔

۲۔ سید امیر علی، A Short History of the Saracens، مطبوعہ لندن، ۱۹۶۱ء۔

۳۔ عبدالستار صدیقی، مقالات صدیقی، حصہ اول، لکھنؤ، ۱۹۸۳ء۔